علامہ سید غلام حسن شاہ کاظمی

فارسی شاعری میں شاہ پارے

● علامہ تفتازانی (متوفی ۷۹۲ھ) جہاں بے بدل فقیہ تھے وہاں شاعر بھی تھے۔ ان کی ایک رباعی ہے۔ اس میں ادبی مہارت کے ساتھ ساتھ ان کا تفقہ بھی دیکھیے کس طرح بھرا ہوا نظر آتا ہے:

ده لفظ از نوادر الفاظ بر شمر　　　　هر لفظ را دو معنی و آن ضد یکدگر

جون و صریم و سدفه و ظن است و شف و بین　　　　قرء است و هاجد و جلل و رهوه ای پسر

(۱) جون = سیاہ و سفید (۲) صریم = صبح و شام (۳) سدفہ = ضیائے صبح و ظلمت (۴) ظن = شک و یقین (۵) شف = زیاد و کم (۶) بین = وصل و فراق (۷) قرء = طہر و حیض (۸) ہاجد = خفتہ و بیداری (۹) جلل = کوچک و بزرگ (۱۰) رہوہ = فراز و نشیب

● خواجہ سلیمان ساوجی کی رباعی ادب و شعر اور محاورہ و روزمرہ کی جان ہے:

ای آبِ روان سروِ بر آوردهٔ تُست　　　　وی سرو چمان چمن سرا پردهٔ تُست

ای غنچهٔ عروسِ باغ در پردهٔ تُست　　　　ای بادِ صبا این همه آوردهٔ تُست

اسی موضوع پر سراج الدین قمری نے طبع آزمائی کی ہے اور خوب کی ہے،

ای ابرِ بہار خار پروردهٔ تُست　　　　وی خار درونِ غنچه خون کردهٔ تُست

گل سرخوش، و لاله مست و نرگس مخمور　　　　ای بادِ صبا این همه آوردهٔ تُست

● علامہ تفتازانی کے دس نوادر الفاظ اور ان کی شرح و لغت نظر افروز ہو چکی۔ اب مولانا آگہی کے مجلسی، نفسیاتی اور ادبی نوادر بھی لائق توجہ ہیں۔ فرمایا:

در جهان ده چیز دشوار است نزد آگهی　　　　کز تصور کردن آن می شود دلیس بے حضور

ناز عشق، زهدِ فاسق، شرمِ ممسک، بذل رذل　　　　عشوهٔ محبوبِ بدشکل و نظر بازیِ کُور

لحنِ صوتِ بے اصولاں، بحثِ علمِ جاہلاں　　　　مہمانیٔ بتقلید و گدائی بزور

معاشرے کی کج روی، کور ذوقی کا کیا خوب محاسبہ کیا ہے۔

● مولانا لطف اللہ نیشاپوری کی رباعی میں کئی امور کا اجتماع نظر افروز ہے:

در مرو پریر لالہ آتش انگیخت / دی نیلوفر بہلخ در آب گریخت
امروز گل از خاک نیشاپور دمید / فردا بہری باد سمن خواہد ریخت

مولانا نسیمی نے بھی حضرت نیشاپوری کے رنگ میں رنگ آمیزی کی ہے:

گل داد پریر ورع فیروزہ بباد / دی جوشن لعل لالہ برخاک نہاد
داد آب سمن خنجر مینا افروز / یاقوت سنان آتش نیلوفر داد

میر ابوالمکارم شہود سندھی (متوفی ۱۰۷۳ھ) نے بھی ان کی پیروی اور تتبع میں یوں گل کاری کی ہے[1]

گل داد پری قبائے یاقوت بہ نار / دی بادہ بہ ورع لالہ شد لعل نگار
امروز در آب کلۂ زد نسرین / فردا سازد سمن ز خاک فیروزہ انار

● حکیم عمر خیام کے فکر و نظر نے پرواز کی اور ان کی طبع رسا نے شوخی دکھائی اور یوں کہا:

آں کس کہ گناہ نہ کرد چون زیست بگو / واں کس کہ گناہ نہ کرد درجہاں کیست بگو
من بد کردم و تو بد مکافات دہی / پس فرق میانِ من و تو چیست بگو

سید احمد احمدی بلگرامی (۱۱۶۱ھ) نے غالباً یہ رباعی پڑھی تو ضبط نہ کر سکے اور از خود رفتہ ہو کر کہا:

آں کس کہ گناہ نہ کرد پیدا نہ بود / او خود خلفِ آدم و حوّا نہ بود
حق است اگر خطا ز انساں نشود / عبد است اگر عفو خدا را نہ بود

● حاجی محمد جان قدسی کا نعتیہ کلام توصیف سے بالاتر ہے۔ ان کی نعتیہ رباعی قابل ستائش ہے:

بہ رخت کہ جز رخے تو گہے بہ رخے دگر نظرے نشد / بہ سرت کہ جز سر تو گہے بہ سرم سرے دیگرے نشد
من کمترین سگانِ تو و لے جملہ بے قدرم و لے / بہ درت کہ جز در تو گہے بہ درے دگر گذرے نشد

● محمد خان تاقسال نے واقعات کا نفسیاتی تجزیہ کیا ہے اور حقیقتِ حال واضح کر دی ہے:

از صد سخنِ پیرم یک حرف مرا یاد است / عالم نشود ویراں تا میکدہ آباد است
تا جاں کہ تو رند داد تا دکہ تواند برد / جاں دادن و دل بردن ایں سر دو خدا داد است

● جب سلطان شمس الدین التمش نے ۶۲۳ھ میں قلعہ رنتھنبور فتح کیا تو اس کی تہنیت میں

امیر روحانی بخاری نے مندرجہ ذیل اشعار رقم کیے:

خبر بہ اہلِ سما بُرد جبرائیل امین | ز فتح نامۂ سلطانِ عہد شمس الدین
که اے ملائکۂ قدس آسمان ہا را | بدین بشارت بندید حلہ و آئین
که از بلادِ سوالک شہنشہِ اسلام | کشاد بارِ دگر قلعه سپہر آئین
شہ مجاہد و غازی که دست و بازو را | روانِ حیدرِ کرّار می کند تحسین[۵۱]

قلعہ گوالیار فتح کیا گیا تو شاہی میر منشی دبیر مملکت تاج الدین ریزہ نے فتح کی خوشی میں ذیل کی رباعی لکھی تھی جو قلعے کے دروازے پر کندہ کرائی گئی۔

ہر قلعہ که سلطانِ سلاطین بگرفت | از عونِ خدا و نصرتِ دین بگرفت
آن قلعۂ گوالیار و آن حصن حصین | در ستۂ ما به سنہ ثلثین بگرفت[۵۲]

— اب ایک اور شخص سامنے ہے، وہ اپنی فکری مصروفیت، خیالی اذیت اور اپنے محبوب کی تصوریت میں غرقاب ہے اور اپنے حالِ زار پر گریاں۔ وہ ماتم گساری یا قلبی مسرت کے عالم میں گنگناتا چلا جا رہا ہے۔ دیکھیے کہ معاشرے کا یہ شخصی انداز کیا کیا رنگ لاتا ہے:

دل بُرد از من دیروز شامے | فتنہ طرازے، محشر خرامے
از چشمِ لرزان، لرزاں دو عالم | و ز زلفِ برہم، برہم نظامے
عارض چہ عارض زلفِ چہ زلفے | صبحِ چہ صبحے شامِ چہ شامے
گاہے بہ مستی چو طاؤس رقصاں | گاہے بہ شوخی چو آہو خرامے

— اب ایک اور دوسرا شخص ہے کہ غم و الم کا پیکر بنا ہے، رنج و اندوہ میں چکنا چور ہے، اس کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔ وہ کہتا ہے:

کیستم؟ دل شکستہ غم زدۂ | بے دل و خستہ و ستم زدۂ
از گدازِ نفس بہ تاب و تبے | و ز بیانِ یاس تشنہ لبے
دردمندے جگر گداختۂ | از غم دہر زہرۂ باختۂ

---

[۵۱] تاریخ فرشتہ، ج ۱، ص ۶۷ [۵۲] ایضاً، ص ۶۷

اور ساری بات یہ ہے کہ یہ غمِ دہر کا کشتہ ہے۔ غمِ دہر میں مبتلا ہے۔ اس کا پورا مرض، اس کی پوری زندگی، اس کی تمام سرگزشت حالات وواقعات کے سیلِ رواں سے گزر چکی ہے، اور جو کچھ کہہ رہا ہے دیدہ و شنیدہ ہے، کائناتِ انسانی نیم بسمل ہے، تڑپ رہی ہے اور یہ اس پر غمِ دہر کا ماتم گسار ہے۔

● مولانا لطف اللہ نیشاپوری گراں مایہ فاضل، بالغ نظر ادیب اور قادر الکلام شاعر تھے۔ ان کے قلب و روح اور فکر و نظر کے مابین مغائرت بالکل نہ تھی۔ ان کے دل و دماغ متحد و یک آہنگ تھے۔ ان پر جو واقعات وحالات وارد ہوئے، تجربات و مشاہدات جو اُن کی سرگزشت کا حصہ ہیں، اُنھیں وہ لباسِ شعر میں آراستہ کرتے رہے۔ حالات کی ستم شعاری اور واقعات کی بے پناہ استبدادیت اور جور و جفا کی الم ناکی کو وہ یوں پیرایۂ اظہار بخشتے ہیں:

طالعے دارم کہ از پئے آب ‖ گر بروم سوئے بحر، بر گردد
ور بدوزخ روم پئے آتش ‖ آتش از یخ فسردہ تر گردد
گر زکوہِ التماسِ سنگ کنم ‖ سنگ نایاب چوں گہر گردد
چوں زپیش کسے روم بسوال ‖ ہر دو گوشش بحکم کر گردد
اسپ تازی اگر سوار شوم ‖ زیرِ رانم رواں چو خر گردد
ایں چنیں حادثات پیش آید ‖ ہر کرا روزگار بر گردد
با ہمہ ... شکر باید کرد ‖ کہ مبادا کزیں بتر گردد

● شخصیات کے نکتہ چین، عیب بین، حاسدین ہوا کرتے ہیں، کوئی عہد بھی اس سے الگ نہیں ہے۔ مولانا جامی نے جب حرمین شریفین کا قصد کیا اور چل پڑے تو ان کے معاصر حاسد شاعر نے کہا:

اے بادِ صبا بگو بہ جامی ‖ کائے دُزدِ سخنورانِ نامی
بُردی اشعار کہنہ و نو ‖ از سعدی و انوری و خسرو
اکنوں کہ سرِ حجاز داری ‖ د آہنگِ حجاز ساز داری
دیوانِ ظہیر فاریابی ‖ در کعبہ بُبرزد اگر بیابی

خواجہ شمس الدین حافظ اپنے معاصر خواجو کرمانی کی نسبت یہ اعتقاد رکھتے ہیں:

استاد ازل سعدی است پیش ہمہ کس اما دارد غزل حافظ طرز غزل خواجو

- سلیم طہرانی شاعر ہیں، خود اپنی نسبت کہتے ہیں:

دیوان کیست از سخنانم تہی سلیم تنہا نہ بر من این ستم از دست صائب است

دیوان خود بدست حریفاں مدہ سلیم غافل مشو کہ غارت باغ تو می کنند

ملّا وارستہ شعر کہتے تھے، وہ سلیم کی نسبت کہتے ہیں:

دخلے کہ نہ کردی کلام اللہ است بیتے کہ نبردۂ تو بیت اللہ است

ایک تذکرہ نویس نے رائے دی ہے کہ مولانا جامی اور امیر خسرو نے نظامی گنجوی پر دست درازی کی ہے:

"خانہ شعر و شاعری نظامی گنجوی تاراج کردۂ مولوی جامی و امیر خسرو است"

کیا یہ دست درازی تسلیم کی جاسکتی ہے؟

- سید غلام علی آزاد بلگرامی (متوفی ۱۲۰۰ھ) نے مآثر الکرام موسوم بہ سرو آزاد میں سرقہ و توارد کی نسبت محاکمہ کیا ہے، اور وہ خلاصۃً یوں ہے:

"مقتضائے حسن ظن آنکہ اشتراک مضامین را حمل بر توارد کنند وتا کہ محمل حسنے داشتہ چرا در پے حمل دیگر روند۔ و اگر کسے بنظر تفتیش ملاحظہ کند کم شاعرے را از توارد مضامین خالی یابد۔ چہ احاطۂ جمیع معلومات، معلومات خاصۂ حضرت علم الٰہی است۔ تعالیٰ شانہٗ۔

منم کلیم بطور بلندیٔ ہمت کہ استفادۂ معنی جز از خدا نکنم

بخوان فیض الٰہی چو دسترس دارم نظر بکاسۂ دریوزۂ گدا نکنم

ولے علاج توارد نمی توانم کرد مگر زباں بہ سخن گفتن آشنا نکنم

آزاد بلگرامی نے علامہ سعد الدین تفتازانی کی رائے سرقہ و توارد کے باب میں نقل کی ہے:

"علامہ تفتازانی در مطول نقل می کند ملخص کلامش اینکہ: حکم سرقہ وقتے کردہ می شود کہ اخذ ثانی از اوّل یقینی باشد۔ والّا احکام سرقہ مترتب نمی تواند شد و از قبیل توارد خواہد بود۔ و در صورت کہ اخذ ثانی از اوّل معلوم نباشد، باید گفت کہ فلاں شاعر

چنیں گفتہ است۔ و دیگرے سبقت بُردہ چنیں یافتہ و بایں حسنِ تدبیر مختتم داند فضیلت صدق را محفوظ دارد۔ خود را از دعوئ علم الغیب و نسبت نقص بغیر انتہی ۵۳

---

۵۳ تذکرہ سروِآزاد، ص ۶۹۔ بحوالہ مطول ۲ : ۲۴۰۔ بحث سرقہ

مطالعۂ حدیث

از : مولانا محمد حنیف ندوی

گولڈ زیہر (GOLDZIHER) اور اس قبیل کے دوسرے استشراق زدہ حضرات نے حدیث و سنت کے بارے میں اس ہرزہ سرائی کو علمی و تحقیقی قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے کہ اس کی تدوین و تسوید تیسری صدی ہجری میں محض تاریخی عوامل کی بنا پر معرضِ ظہور میں آئی۔ مولانا ندوی نے اس کتاب میں اس اعتراض کا مثبت انداز میں جواب دیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ حدیث نبویؐ کی اشاعت و فروغ اور حفظ و صیانت کا سلسلہ عہدِ نبوی سے لے کر صحاح ستہ کی تدوین تک ایک خاص قسم کا تسلسل لیے ہوئے ہے جس میں شک وارتیاب کی کوئی گنجائش نہیں پائی جاتی۔ علاوہ ازیں اس میں مولانا نے حدیث کے علوم و معارف پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور یہ بتایا ہے کہ یہ ایک مکمل سائنس ہے، جس میں نہ صرف رجال و روات کی جانچ پرکھ کے پیمانوں کی تشریح کا اہتمام کیا گیا ہے بلکہ ان اصولوں کی نشان دہی بھی کی گئی ہے جن سے محدثین نے متن کی صحت و استواری کا تعین کیا ہے۔ اسلام میں حدیث و سنت کا کیا درجہ ہے، اس نے کب اور کس طرح تدوین و تصنیف کے محنت طلب مرحلے طے کیے اور کن موثق علمی ذرائع سے ہم تک ان کی برکات پہنچیں، یا یہ کہ یہ اپنے آغوش میں تحقیق و تفحص کے کن معیاروں کو سمیٹے ہوئے ہے؟ ان سوالات کا تحقیقی جواب اگر مطلوب ہو تو اس کتاب کا مطالعہ کیجیے۔

قیمت : ۱۶ روپے　　　صفحات : ۲۱۶ + ۱۲

ملنے کا پتا : ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ لاہور